(غلام گردش)

دن کی روشنی میں شمع جلایئے!

ملک کا کیا ہے۔ایسے ہی چلتا رہیگا۔یا شائد رینگتا رہیگا۔بہتر سال کا عرصہ کم نہیں ہوتا۔پہلے دن سے لیکر آج تک یہ علاقہ آفت زدہ ہے اور رہیگا۔ترقی کا سورج یہاں طلوع نہیں ہوسکتا۔کبھی کبھی تو لگتا ہے کہ یہ خطہ،کسی دوسری دنیا کا جہنم ہے۔جہاں ہم تمام لوگ سزا کے طور پر سانس لینے کی کوشش کررہے ہیں۔جھوٹ در جھوٹ کی تکرار،کسی بھی مسئلہ کا حل نہ ہونا اور عام اور خاص لوگوں کے وہی دلخراش چال چلن۔لہذا مثبت تبدیلی کی ہوا نہ پہلے کبھی چلی ہے اور نہ چلنے کا کوئی امکان ہے۔ہاں،گھٹن اور حبس تو خیر بڑھتی ہی رہیگی اور زور وشور سے بڑھ رہی ہے۔جب کوئی حالات کو درست کرنے کا نعرہ مارتا ہے تو اکثر لوگ خوف میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔کہ نیا یا پرانا شکاری،نئے یا بہت نئے جال لیکر لوگوں کی حسرتوں اور خواہشات کو مقید کرنے آ گیا ہے۔ہمارا مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہم نے ریاستی سطح کے چند لوگوں کو اتنا بلند وارفع مقام دے ڈالا ہے جسکا عملی جواز نہ ہونے کے برابر ہے۔اگر آپ تحقیق اور دلیل کی بنیاد پر بات کرنے کی کوشش کریں،تو آپکو ساری عمر ''پسِ دیوارِ زندگی'' گزارنی پڑیگی۔جسکا کسی کو کبھی بھی کوئی شوق نہیں ہوتا۔بربادی،جعلی ترقی اور منفی تبدیلی جاری وساری رہے گی۔یہی ہمارا مقدر ہے۔

افواہ ہے کہ خان صاحب کے دن گنے جاچکے ہیں۔فرشتے کسی نئی تدبیر میں غلطی وبیچا ہیں۔وہی شہباز شریف،جو برطانوی جرنلسٹ کے انکشافات کا کوئی جواب نہیں دے پائے۔دوبارہ،اقتدار کی دوڑ میں شامل ہیں۔پرندے یہ بھی بتاتے ہیں کہ خان صاحب کو انکے انتہائی ''نالائق دوستوں'' نے کنویں کی منڈھیر پر کھڑا کردیا ہے۔دھکا کب دیا جائیگا،اسکا علم پورے پاکستان میں صرف ایک آدمی کو ہے۔اور لازم ہے کہ یہ سب کچھ Surprise کے عنصر کو مدِنظر رکھ کر ہی پایہ تکمیل تک پہنچے گا۔ویسے میں خان صاحب کے ''انتہائی پست سطح کے دوستوں'' سے انتہائی خوش ہوں۔عمران خان کی شکل میں ملک کی بہتری کی جو آخری اُمید عوام سامنے آئی تھی صرف اٹھارہ ماہ کے قلیل عرصے میں کمال ہوشیاری سے اسکو فنا کردیا گیا ہے۔خان صاحب کو اندازہ ہی نہیں کہ انکے ساتھ ہوا کیا ہے۔ممکنہ طور پر انکے دوست انکے ساتھ کیا کرنے والے ہیں۔شائد بے خبری انکے خیالات کا مخزن ہے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تعویز اور دھاگوں سے اس مشکل سیاسی صورتحال کو حل کرنے کی کوشش کررہے ہوں۔مگر قرائن ہر طرح سے انکے خلاف جارہے ہیں۔

''احتساب'' کی جتنی بھی کم بات کی جائے،درست ہے۔کیونکہ سوال زیادہ ہیں اور جواب حد درجہ کم۔یونان کا ایک بے مثال فلسفی Diogenes دن میں شمع جلا کر پھر رہا تھا۔پوچھا گیا کہ اس وقت تو دن کی بھرپور روشنی ہے۔پھر آپ نے قندیل کیوں روشن کررکھی ہے۔جواب حد درجہ فکر انگیز تھا۔اس نے کہا کہ شمع کی روشنی میں اپنے پورے ملک میں ایک ''ایماندار آدمی'' تلاش کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔سورج کی روشنی تو اس کام کیلئے حد درجہ ناکافی ہے۔شائد موم بتی کی روشنی میں کوئی ایماندار شخص مل جائے۔تو صاحبان!بعینہ ہی،یہی حال مملکتِ خداداد کا ہے۔یہاں اگر ہم Diogenes کی طرح شمع جلا کر سچ،دلیل،انصاف اور ایمانداری کو ڈھونڈنے نکلیں تو مکمل طور پر ناکام ہونگے۔مگر یہاں شائد موم بتی بھی ناکام ہوجائے۔بالکل اسی طرح،جیسے Diogenes،ہزاروں برس پہلے ناکام

ہوا تھا۔

ویسے اب سیاسی حالات سے کوئی دلچسپی نہیں۔آپ دس سے بارہ سرخیاں یاد کرلیں۔پھر گزشتہ دہائیوں کے اخبارات کا مطالعہ کرلیں۔بالکل ایک جیسے نعرے،ایک جیسی خبریں اور جیسے دعوے۔کسی قسم کی کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ہاں چند سڑکیں،عمارتیں اور پُل ضرور بنے ہیں۔نہریں بھی کھودی گئی ہیں۔مگر انہیں عوامی سہولت کے پیشِ نظر نہیں، بلکہ خواص کے مالی فائدے کیلئے ''دکھاوے'' کے طور پر تعمیر کیا گیا ہے۔مزدوروں اور ہاریوں کے رفیق جماعت کے سرکردہ سرپنچ، پیرس میں محل کے مالک ہیں۔جہاں انکی اولاد جو کہ بالکل انہی کی طرح ہاریوں اور غریب طبقوں کی نمائندگی کرتی ہے۔اس محل میں چھٹیاں گزارتی ہے۔ہاں،اہتمام کیا جاتا ہے کہ اخبار میں خبر نہ آئے۔اسطرح کے درجنوں محل دنیا کے ہر کونے میں موجود ہیں۔ہاں ایک خبر شوق وذوق سے لگوائی جاتی ہے کہ ہمارے اکابرین مسلمانوں کے مقدس مقامات پر عبادت میں مصروف ہیں۔ویسے اس عبادت کا سفر اکثر سرکاری پیسوں سے سرانجام دیا جاتا ہے۔پاکیزگی اور راست بازی کا ڈھول پیٹا جاتا ہے۔لوگ بڑے اہتمام سے ہر بار بیوقوف بنائے جاتے ہیں۔

یکسانیت سے تنگ آکر کیا کیا جائے۔دل اور روح کے غم کو کیسے کم کیا جائے۔ہر شخص کا اس معاملہ میں اپنا ذاتی طریقہ کار ہے۔غریب کے Catharsis کا طریقہ اور ہے۔اور امیر کا اپنے جرائم کے بوجھ کرنے کا طور بالکل الگ۔جب روزگار عنقا ہوں۔جب ہر دفتر،بازار اور قبرستان میں ریٹ لسٹ لگی ہوں تو پھر بائیس کروڑ میں،ایک کروڑ تو منشیات کے مستقل عادی ضرور ہونگے۔باقی شرفاء چھپ کر اپنا شوق پورا کرتے ہیں۔لیکن یہ پوری قوم ذہنی امراض کا بھرپور شکار ہوچکی ہے۔تسلیم کوئی نہیں کرتا۔جو لوگ مشرقی اقدار کا ٹوکرا سجا کر عقیدت کے گُل یا کانٹے فروخت کررہے ہیں۔وہ بھی اصل حالات دیکھ کر انگلیاں چبا رہے ہیں۔مگر یہ اتنے کائیاں لوگ ہیں کہ حقیقت جاننے کے بعد،اپنی نہیں، بلکہ دوسروں کی انگلیاں چبانے میں مصروف ہیں۔آپ کسی بڑی یا چھوٹی تعلیمی درسگاہ میں چلے جایئے۔اساتذہ یا طلباء کو اعتماد میں لیکر پوچھیں۔''بوائے فرینڈ'' اور ''گرل فرینڈ'' کے واقعات عام ہوچکے ہیں۔انکے ساتھ جڑے ہوئے معاملات بھی بالکل اسی سطح کے ہیں جو مغرب میں مروجہ ہیں۔مگر کوئی بھی اس سچ پر کھل کر بات نہیں کرسکتا۔اسلیے کہ اخلاقیات کو ڈنڈے کے زور پر لاگو کیا جاتا ہے جو ہر دور میں ناکام رہا ہے۔ہمارے معاشرہ کی اخلاقی قدریں سو فیصد تبدیل ہوئی ہیں۔وجوہات اَن گنت ہیں۔مگر انکو ماننا بہت دل گردے کا کام ہے۔بہرحال اس پر کیا بات کرنی۔بلکہ یہ سوچتا ہوں کہ کیوں کی جائے۔

جب دل اُداس ہوتا ہے اور موجودہ یا ماضی کی صورتحال سے دل اُچاٹ ہوجاتا ہے تو ماضی کی بہترین آوازیں،یعنی کے ایل سہگل،بیگم اختر فیض آبادی اور بڑے غلام علی خان سنتا ہوں۔آج سے ٹھیک ایک برس پہلے،جب میں واقعی زندہ تھا،ایک دوست سے مشورہ کیا کہ پرانے گلوکاروں کو سننا چاہتا ہوں۔اسکے لیے کون سا میوزک سسٹم خریدوں۔اسکا جواب تھا کہ میوزک سسٹم کا زمانہ ختم ہوگیا۔اب تو وائی فائی پر صرف ایک سپیکر کی ضرورت ہے۔اس نے "Bose" کا سپیکر خریدنے کیلئے کہا۔معلوم کیا تو لاہور میں یہ سپیکر موجود ہی نہیں تھا۔کراچی میں ایک دکان تھی۔انکے پاس دو تین سپیکر موجود تھے۔انٹرنیٹ پر ایک سپیکر پسند کیا۔دام ادا کیے اور وہ

سپیکر چاردن میں میری سٹڈی میں آ گیا۔اب سرِ شام،اس سپیکر پر پرانی کلاسیکل غزلیں سنتا ہوں اور خاموشی سے کوئی کتاب پڑھتا ہوں۔''دخترِ رذ'' سے کنارہ کیے عرصہ دراز گزر گیا۔اب موسیقی ہی دل کو سہارا دیتی ہے۔ویسے کیا یہ کمال بات نہیں کہ بیگم اختر جیسی نایاب آواز کا نوے فیصد لوگوں کو اب کوئی علم نہیں ہے۔کے ایل سہگل کے متعلق پوچھیے تو ہوسکتا ہے کہ جواب ملے کہ وہ ناسا میں انجینئر تھے اور بڑے غلام علی خان، دراصل کتابیں بیچنے کا کام کرتے تھے۔ہمارا تنزلی کا سفر اس درجہ خوشگوار ہے کہ یزداں بھی ساتویں آسمان پر بیٹھا مسکراتا ہوگا۔

ہاں ایک اور بات، ہمارے مستند ترین گلوکاروں کے گائے ہوئے شہکاروں کو جس طرح مسخ کر کے آج کل پیش کیا جا رہا ہے۔اس سے اَز حد تکلیف ہوتی ہے۔غلام فرید صابری قوال کی سحر انگیز قوالی ''تاجدارِ حرم'' کو جس بھونڈے طریقے سے دوبارہ، عصرِ حاضر میں گایا جا رہا ہے، وہ قوالی سے ایک دردناک مذاق ہے۔خیر شام کو اپنی سٹڈی میں کتابوں اور موسیقی کے درمیان گھرا رہتا ہوں۔بہت سے صحرائی سفر یاد آتے ہیں۔بہت سے زخم دوبارہ خون آلود ہو جاتے ہیں۔مگر اب خدا نے اتنا حوصلہ عطا کر دیا ہے کہ کسی سے بھی کوئی نفرت نہیں ہے۔ان سے بھی، جنہوں نے مجھے حد درجہ نقصان پہنچایا اور ان سے بھی جو میرے قلم اُٹھانے پر بھی معترض ہیں۔دل میں ایک سمندر ہے جو بالکل خاموش ہو چکا ہے۔ٹھہر چکا ہے۔لہذا کیا گلہ اور کیا شکوہ۔

یقین سے عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے لیڈر بھی دروغ گوئی میں یکتا ہیں اور عوام بھی جھوٹ کے ملمع میں دفن ہیں۔وہ ہر ایک کی باتیں اور دعوے سنکر تالیاں بجاتے ہیں۔مگر دل میں جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ عبث ہے۔کسی نے خان صاحب کو یاد کروایا ہے کہ ''فنی تعلیم'' بہت اہم ہے۔درست بات ہے۔مگر کیا ہمارے انتہائی پست درپے کے سرکاری اور غیر سرکاری فنی ادارے واقعی معیاری تعلیم دینے کی استطاعت رکھتے ہیں۔عرصہ دراز سے ایک ہی راگ اَلاپا جا رہا ہے کہ فنی تعلیم سے ملک ترقی کریگا۔مان لیا۔مگر گزشتہ بیس پچیس برس میں ''ٹیکنیکل تعلیم'' سے ہنر کے کون سے دریا بہائے گئے۔کم از کم میرے جیسے طالبعلم کو تو بالکل نظر نہیں آ رہے۔یونیورسٹیوں کی بھرمار کر دی گئی کہ تعلیم بہت ضروری ہے۔مگر ادنیٰ ڈگریاں دے دیکر بے روزگاروں کی فوج جمع کر دی گئی۔میڈیکل کالجوں کو گلی اور محلوں تک پھیلا دیا گیا۔درصل ہمارا پورا نظام اتنا پست ہے کہ اس میں معیار نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ویسے کوئی گلہ نہیں۔اسلیے کہ جیسے ہم لوگ ہیں، ویسے ہی ہمارے لیڈر ہونگے، ویسے ہی ہماری درسگاہیں ہونگیں اور ویسے ہی ہمارے قومی ادارے ہونگے۔ہر چیز ایک دوسرے سے منسلک ہے۔یہ ایک گرداب ہے جس سے نکلنا اب ناممکن ہو چکا ہے۔آپ بھی دن کی روشنی میں شمع جلا کر ایمانداری، انصاف، روزگار، سچ اور انسانیت کے دنیاوی پیکروں کو تلاش کیجئے۔آپ بھی ہزاروں برس پہلے کے ڈاؤجنیز کی طرح ناکام ہونگے!

راؤ منظر حیات